معاویہ بن حکمؓ سے جبکہ انہوں نے نماز پڑھتے ہوئے بات کی تو فرمایا' نماز میں انسانی بات چیت نہ کرنی چاہئے' یہ تو صرف تسبیح اور تکبیر اور ذکر اللہ ہے (مسلم) مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے لوگ ضروری بات چیت بھی نماز میں کرلیا کرتے تھے' جب یہ آیت اتری تو چپ رہنے کا حکم دے دیا گیا لیکن اس حدیث میں ایک اشکال یہ ہے کہ علماء کرام کی ایک جماعت کے نزدیک نماز میں بات چیت کرنے کی حرمت حبشہ کی ہجرت کے بعد اور مدینہ شریف کی ہجرت سے پہلے ہی مکہ شریف میں نازل ہو چکی تھی۔

چنانچہ صحیح مسلم میں ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حبشہ کی ہجرت سے پہلے ہم نبی ﷺ کو سلام کرتے تھے آپ نماز میں ہوتے۔ پھر بھی جواب دیتے' جب حبشہ سے ہم واپس آئے تو حضور کو میں نے آپ کی نماز کی حالت میں ہی سلام کیا۔ آپ نے جواب نہ دیا' اب میرے رنج و غم کا کچھ نہ پوچھئے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپؐ نے مجھے فرمایا۔ عبداللہ اور کوئی بات نہیں میں نماز میں تھا اس وجہ سے میں نے جواب نہ دیا' اللہ جو چاہے نیا حکم اتارے' اس نے یہ نیا حکم نازل فرمایا ہے کہ نماز میں نہ بولا کرو۔ پس یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے پہلے کا ہے۔ اور یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے' اب بعض تو کہتے ہیں کہ زید بن ارقم کے قول کا مطلب جنس کلام سے ہے اور اس کی حرمت پر اس آیت سے استدلال بھی خود ان کا فہم ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں ممکن ہے دو دفعہ حلال ہوا ہو اور دو دفعہ ممانعت ہوئی ہو لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے' حضرت ابن مسعود والی روایت جو ابو یعلی میں ہے' اس میں ہے کہ حضورؐ کے جواب نہ دینے سے پہلے مجھے یہ خوف ہوا کہ شاید میرے بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ آپؐ نے مجھ سے فارغ ہو کر فرمایا وعليك السلام ايها المسلم و رحمة الله نماز میں جب تم ہو تو خاموش رہا کرو۔

چونکہ نمازوں کی پوری حفاظت کرنے کا فرمان صادر ہو چکا تھا' اس لئے اب اس حالت کو بیان فرمایا جاتا جس میں تمام ادب و آداب کی پوری رعایت عموماً نہیں رہ سکتی' یعنی میدان جنگ میں جبکہ دشمن سر پر ہو تو فرمایا کہ جس طرح ممکن ہو' سوار' پیدل' قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرلیا کرو' ابن عمرؓ اس آیت کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں بلکہ نافع فرماتے ہیں' میں تو جانتا ہوں یہ مرفوع ہے' مسلم شریف میں ہے سخت خوف کے وقت اشارے سے ہی نماز پڑھ لیا کرو۔ گو سواری پر ہو' عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب حضور علیہ السلام نے خالد بن سفیان کے قتل کے لئے بھیجا تھا تو آپ نے اسی طرح نماز عصر اشارے سے ادا کی تھی (ابوداؤد) پس اس میں جناب باری نے اپنے بندوں پر بہت آسانی کر دی اور بوجھ کو ہلکا کر دیا' صلوٰۃ خوف ایک رکعت پڑھنی بھی آئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبانی حضر کی حالت میں چار رکعتیں فرض کی ہیں اور سفر کی حالت میں دو اور خوف کی حالت میں ایک (مسلم)

امام احمد فرماتے ہیں' یہ اس وقت ہے جب بہت زیادہ خوف ہو' جابر بن عبداللہ اور بہت سے اور بزرگ صلوٰۃ خوف ایک رکعت بتاتے ہیں۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب باندھا ہے کہ فتوحات قلعہ کے موقعہ پر اور دشمن کے مڈبھیڑ کے موقعہ پر نماز ادا کرنا۔ اوزاعیؒ فرماتے ہیں' اگر فتح قریب آ گئی ہو اور نماز پڑھنے پر قدرت نہ ہو تو ہر شخص اپنے طور پر اشارے سے نماز پڑھ لے۔ اگر اتنا وقت بھی نہ ملے تو تاخیر کریں یہاں تک کہ لڑائی ختم ہو جائے اور چین نصیب ہو تو دو رکعتیں ادا کرلیں ورنہ ایک رکعت کافی ہے لیکن صرف تکبیر کہہ لینا کافی نہیں بلکہ تاخیر کر دیں یہاں تک کہ امن ملے۔ مکحول بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں' تستر قلعہ کی لڑائی میں میں بھی فوج میں تھا۔ صبح صادق کے وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ ہمیں وقت ہی نہ ملا کہ ہم نماز ادا کرتے۔ خوب دن چڑھے اس دن ہم نے صبح کی نماز پڑھی۔ اگر اس نماز کے بدلے میں مجھے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے' مل جائے تاہم میں خوش نہیں ہوں۔ ازاں بعد حضرت امام المحدثین نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ جنگ خندق میں سورج غروب ہو جانے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز نہ پڑھ سکے۔ پھر دوسری

حدیث میں ہے کہ آپؐ نے جب اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بنی قریظہ کی طرف بھیجا تو ان سے فرمادیا تھا کہ تم میں سے کوئی بھی بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز عصر نہ پڑھے۔ اب جبکہ نماز عصر کا وقت گیا تو بعض نے تو وہیں پڑھ لی اور کہا کہ مطلب حضور کا یہ تھا کہ ہم بہت جلد جائیں تا کہ عصر کی نماز کا وقت ہمیں وہاں پہنچ کر ہو اور بعض لوگوں نے پڑھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ وہیں جا کر نماز پڑھی۔ حضورؐ کو جب اس کا علم ہوا تو نہ تو آپؐ نے انہیں کچھ ڈانٹا نہ انہیں پس اس سے حضرت امام بخاری یہ مسئلہ ثابت کرتے ہیں گو جمہور اس کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سورہ نساء میں جو نماز خوف کا حکم ہے اور جس نماز کی مشروعیت اور طریقہ احادیث میں وارد ہوا ہے وہ جنگ خندق کے بعد کا ہے جیسے کہ ابو سعید وغیرہ کی روایت میں صراحتاً بیان ہے۔ لیکن امام بخاری امام مکحول اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کا جواب یہ ہے کہ اس کی مشروعیت بعد میں ہونا اس جواز کے خلاف نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ بھی جائز ہو اور وہ بھی طریقہ ہو کیونکہ ایسی حالت شاذ و نادر کبھی ہی ہوتی ہے اور خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں فتح تستر میں اس پر عمل کیا اور کسی نے انکار نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ امن کی حالت میں بجا آوری کا پورا خیال رکھو۔ جس طرح میں نے تمہیں ایمان کی راہ دکھائی اور جہل کے بعد علم دیا تو تمہیں بھی چاہئے کہ اس کے شکریہ میں ذکر اللہ باطمینان کیا کرو جیسے کہ نماز خوف کا بیان کر کے فرمایا جب اطمینان ہو جائے تو نمازوں کو اچھی طرح قائم کرو۔ نماز مومنوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے۔ صلوٰۃ خوف کا پورا بیان سورہ نساء کی آیت وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾

جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں انہیں کوئی نہ نکالے پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لئے اچھائی سے کریں۔ اللہ تعالیٰ غالب اور حکیم ہے ○

بیوگان کے قیام کا مسئلہ: ☆☆ (آیت: ۲۴۰) اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت اس سے پہلے کی آیت اور اس سے پہلے کی آیت یعنی چار مہینے دس دن کی عدت والی آیت منسوخ ہو چکی ہے صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ جب یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے تو پھر آپؓ اسے قرآن کریم میں کیوں لکھوا رہے ہیں آپؓ نے فرمایا بھتیجے جس طرح اگلے قرآن میں یہ موجود ہے یہاں بھی موجود ہی رہے گی۔ ہم کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں پہلے تو یہی حکم تھا کہ سال بھر تک نان ونفقہ اس بیوہ عورت کو میت کے مال سے دیا جائے اور اسی کے مکان میں یہ رہے۔ پھر آیت میراث نے اسے منسوخ کر دیا اور خاوند کی اولاد ہونے کی صورت میں مال متروکہ کا آٹھواں حصہ اور اولاد نہ ہونے کے وقت چوتھائی مال ورثہ کا مقرر کیا گیا اور عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی۔ اکثر صحابہؓ اور تابعین سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے سعید بن مسیب کہتے ہیں سورۂ احزاب کی آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ الخ نے اسے منسوخ کر دیا۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، سات مہینے بیس دن جو اصلی عدت چار مہینے دس دن کے سوا کے ہیں، اس آیت میں اس مدت کا حکم ہو رہا ہے۔ عدت تو واجب ہے لیکن یہ زیادتی کی مدت کا عورت کو اختیار ہے خواہ وہیں بیٹھ کر یہ زمانہ گزار دے خواہ نہ گزارے اور چلی جائے۔ میراث کی آیت نے رہنے سہنے کے مکان کو بھی منسوخ کر دیا۔ وہ جہاں چاہے عدت گزارے۔ مکان کا خرچ خاوند کے ذمہ نہیں۔ پس ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت نے سال بھر تک کی عدت کو واجب ہی نہیں کیا پھر منسوخ ہونے کے کیا معنی؟ یہ تو صرف خاوند کی وصیت ہے اور اسے بھی عورت پورا کرنا چاہے تو کرے ورنہ اس پر جبر نہیں، وصیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے جیسے یُوصِیکُمُ اللّٰهُ فِیٓ اَوۡلَادِکُمۡ الخ، اس کا نصب فلتو صوالھن کو محذوف مان کر ہے۔ وصیۃ کی قرات یہی ہے یعنی کتب علیکم وصیۃ پس اگر عورتیں سال بھر تک اپنے فوت شدہ خاوندوں کے مکانوں میں رہیں تو انہیں نہ نکالا جائے اور اگر وہ عدت گزار کر جانا چاہیں تو ان پر کوئی جبر نہیں۔

امام بن تیمیہؒ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں۔ اور بھی بہت سے لوگ اسی کو اختیار کرتے ہیں اور باقی کی جماعت اسے منسوخ بتاتی ہے۔ پس اگر ان کا ارادہ اصلی عدت کے بعد کے زمانہ کے منسوخ ہونے کا ہے تو خیر ورنہ اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں خاوند کے گھر میں عدت گزارنی ضروری ہے اور اس کی دلیل موطا مالک کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی ہمشیرہ صاحبہ فریعہؓ بنت مالک رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا، ہمارے غلام بھاگ گئے تھے جنہیں ڈھونڈنے کے لئے میرے خاوند گئے۔ قدوم میں ان غلاموں سے ملاقات ہوئی لیکن انہوں نے آپ کو قتل کر دیا۔ ان کا کوئی مکان نہیں جس میں عدت گزاروں اور نہ کچھ کھانے پینے کو ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو اپنے میکے چلی جاؤں اور وہیں عدت پوری کروں، آپؐ نے فرمایا اجازت ہے۔ میں لوٹی۔ ابھی تو میں حجرے میں ہی تھی کہ حضورؐ نے مجھے بلوایا یا خود بلایا اور فرمایا تم نے کیا کہا۔ میں نے پھر قصہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اپنے گھر میں ہی ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت گزر جائے چنانچہ میں نے وہیں عدت کا زمانہ پورا کیا یعنی چار مہینے دس دن۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں آپؓ نے مجھے بلوایا اور مجھ سے یہی مسئلہ پوچھا۔ میں نے اپنا یہ واقعہ حضورؐ کے فیصلے سمیت سنایا۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اسی کی پیروی کی اور یہی فیصلہ دیا اس حدیث کو امام ترمذی حسن صحیح کہتے ہیں۔

وَلِلۡمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ‌ؕ حَقًّا عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۴۲﴾ ع ۷ / ۱۵

طلاق والیوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے ○ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں تم پر ظاہر فرما رہا ہے تاکہ تم سمجھو ○

(آیت: ۲۴۱-۲۴۲) مطلقہ عورت کو فائدہ دینے کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ اگر ہم چاہیں دیں، چاہیں نہ دیں۔ اس پر یہ آیت اتری، اسی آیت سے بعض لوگوں نے ہر طلاق والی کو کچھ نہ کچھ دینا واجب قرار دیا ہے اور بعض دوسرے بزرگوں نے اسے ان عورتوں کے ساتھ مخصوص مانا ہے جن کا بیان پہلے گزر چکا یعنی جن عورتوں سے صحبت نہ ہوئی ہو اور مہر بھی نہ مقرر ہوا ہو اور طلاق دے دی جائے لیکن پہلی جماعت کا جواب یہ ہے کہ عام میں سے ایک خاص صورت کا ذکر کرنا اسی صورت کے ساتھ اس حکم کو مخصوص نہیں کرتا جیسے کہ مشہور اور منصوص مذہب ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں حلال وحرام اور فرائض وحدود اور امر ونہی کے بارے میں واضح اور مفسر بیان کرتا ہے تاکہ کسی قسم کا ابہام اور اجمال باقی نہ رہے کہ ضرورت کے وقت اٹک بیٹھو بلکہ اس قدر صاف بیان ہوتا ہے کہ ہر شخص سمجھ سکے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے' اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا مر جاؤ' پھر انہیں زندہ کر دیا' اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہا کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے ○ ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے اور اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے' اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

موت اور زندگی: ☆☆ (آیت:۲۴۳-۲۴۵) ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ لوگ چار ہزار تھے۔ اور روایت میں ہے کہ آٹھ ہزار تھے' بعض نو ہزار کہتے ہیں بعض چالیس ہزار بتاتے ہیں' بعض تیس ہزار سے کچھ اوپر بتاتے ہیں' یہ لوگ ذروردان نامی بستی کے تھے جو واسط کی طرف ہے۔ بعض کہتے ہیں' اس بستی کا نام اذرعات تھا۔ یہ لوگ طاعون کے مارے اپنے شہر کو چھوڑ کر بھاگے تھے۔ ایک بستی میں جب پہنچے وہیں اللہ کے حکم سے سب مر گئے' اتفاق سے ایک نبیؑ اللہ کا وہاں سے گزر ہوا' ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر دوبارہ زندہ کر دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں' ایک چٹیل' صاف اور ہوادار کھلے پر فضا میدان میں ٹھہرے تھے اور دو فرشتوں کی چیخ سے ہلاک کئے گئے تھے۔ جب ایک لمبی مدت گزر چکی' ان کی ہڈیوں کا بھی چونا ہو گیا' اسی جگہ بستی بس گئی۔ تب خرقیل نامی ایک نبی وہاں سے نکلے۔ انہوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حکم دیا کہ تم کہو کہ اے بوسیدہ ہڈیو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم سب جمع ہو جاؤ چنانچہ ہر ہر جسم کی ہڈیوں کا ڈھانچہ کھڑا ہو گیا پھر اللہ کا حکم ہوا' ندا کرو کہ اے ہڈیو اللہ فرماتا ہے کہ تم گوشت پوست' رگیں' پٹھے بھی جوڑ لو چنانچہ اس نبیؑ اللہ کے دیکھتے ہوئے یہ بھی ہو گیا۔ پھر آواز آئی کہ اے روحو اللہ تعالیٰ کا تمہیں حکم ہو رہا ہے کہ ہر روح اپنے اپنے قدیم جسم میں آ جائے چنانچہ یہ سب جس طرح ایک ساتھ مرے تھے' اسی طرح ایک ساتھ جی اٹھے اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا سُبْحَانَكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اے اللہ تو پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں' یہ دلیل ہے قیامت کے دن اسی جسم کے ساتھ دوبارہ جی اٹھنے کی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا بھاری فضل وکرم ہے کہ وہ زبردست ٹھوس نشانیاں اپنی قدرت قاہرہ کی دکھا رہا ہے لیکن باوجود اس کے بھی اکثر لوگ ناقدرے اور بے شکرے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی جگہ بچاؤ اور پناہ نہیں۔ یہ لوگ وبا سے بھاگے تھے اور زندگی کے حریص تھے تو اس کے خلاف عذاب آیا اور فوراً ہلاک ہو گئے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف چلے اور سرغ میں پہنچے تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح وغیرہ سرداران لشکر ملے اور خبر دی کہ شام میں آج کل وبا ہے چنانچہ اس میں اختلاف ہوا کہ اب وہاں جائیں یا نہ جائیں۔ بالآخر حضرت

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب آئے اور فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب وبا کسی جگہ آئے اور تم وہاں ہو تو وہاں سے اس کے ڈر سے مت بھاگو اور جب تم کسی جگہ وبا کی خبر سن لو تو تم وہاں مت جاؤ- حضرت عمر فاروقؓ نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی- پھر وہاں سے واپس چلے گئے (بخاری و مسلم) ایک اور روایت میں ہے کہ یہ اللہ کا عذاب ہے جو اگلی امتوں پر ڈالا گیا تھا-② پھر فرمایا کہ جس طرح ان لوگوں کا بھاگنا انہیں موت سے نہ بچا سکا' اسی طرح جہاد سے منہ موڑنا بھی بیکار ہے- اجل اور رزق دونوں قسمت میں مقرر ہو چکے ہیں' رزق نہ بڑھے نہ گھٹے' موت نہ پہلے آئے نہ پیچھے ہٹے- اور جگہ ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ سے اٹک بیٹھے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے بھی کہتے ہیں کہ یہ مجاہد شہدا بھی اگر ہماری طرح رہتے تو مارے نہ جاتے' ان سے کہو اگر تم سچے ہو تو ذرا اپنی جانوں سے بھی موت کو ہٹا دو- اور جگہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں' الہٰ ہم پر لڑائی کیوں لکھ دی- کیوں نہ ہمیں ایک وقت تک فرصت دی جس کے جواب میں فرمایا کہ مضبوط برج بھی موت کے سامنے ہیچ ہیں- اس موقعہ پر اسلامی لشکروں کے جیوٹ سردار اور بہادروں کے پیشوا' اللہ کی تلوار' اسلام کے پشت پناہ ابوسلیمان خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان وارد کرنا بالکل مناسب وقت ہوگا جب آپ نے عین اپنے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ کہاں ہیں موت سے ڈرنے والے' لڑائی سے جی چرانے والے نامرد' وہ دیکھیں کہ میرا جوڑ جوڑ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی ہو چکا- سارے جسم میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں تیر' تلوار' نیزہ برچھا نہ لگا ہو لیکن دیکھو کہ آج میں اپنے بستر میں فوت ہو رہا ہوں- میدان جنگ میں نہ رہا-

اللہ کی راہ میں خرچ کرو: ☆☆ پھر پروردگار عالم اپنے بندوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دے رہا ہے جو جگہ بہ جگہ دی جاتی ہے' حدیث نزول میں بھی ہے' کون ہے جو ایسے اللہ کو قرض دے جو نہ مفلس ہے نہ ظالم اس آیت کو سن کر حضرت ابوالاصداح انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا' یارسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض طلب فرماتا ہے- آپؐ نے فرمایا' ہاں- فرمایا اپنا ہاتھ دیجئے- پھر ہاتھ میں ہاتھ لے کر کہا' حضورؐ میں نے اپنا باغ جس میں چھ کھجور کے درخت ہیں' اللہ تعالیٰ کو قرض دیا اور وہاں سے سیدھے اپنے باغ آئے اور باہر ہی کھڑے رہ کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی کہ بچوں کو لے کر باہر آ جاؤ- میں نے یہ باغ اللہ کی راہ میں دے دیا ہے (ابن ابی حاتم) قرض حسنہ سے مراد فی سبیل اللہ خرچ ہے اور بال بچوں کا خرچ بھی ہے اور تسبیح و تقدیس بھی ہے- پھر فرمایا کہ اللہ اسے دوگنا چوگنا کر کے دے گا جیسے اور جگہ ہے مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ الخ' یعنی اللہ کی راہ کے خرچ کی مثال اس دانہ جیسی ہے جس کی سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سات دانے ہوں اور اللہ اس سے بھی زیادہ جسے چاہے دیتا ہے- اس آیت کی تفسیر بھی عنقریب آئے گی- ان شاءاللہ تعالیٰ- حضرت ابوہریرہؓ سے ابوعثمان نہدیؒ پوچھتے ہیں' میں نے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک ایک نیکی کا بدلہ ایک ایک لاکھ نیکیوں کا ملتا ہے- آپ نے فرمایا' اس میں تعجب کیا کرتے ہو' میں نے نبی اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کا بدلہ دو لاکھ کے برابر ملتا ہے (مسند احمد) لیکن یہ حدیث غریب ہے-

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابوعثمان نہدیؒ فرماتے ہیں' مجھ سے زیادہ حضرت ابوہریرہؓ کی خدمت میں کوئی نہیں رہتا تھا' آپ حج کو گئے پھر پیچھے سے میں بھی گیا بصرے پہنچ کر میں نے سنا کہ وہ لوگ حضرت ابوہریرہ کی روایت سے مندرجہ بالا حدیث بیان کرتے ہیں- میں نے ان سے کہا' اللہ کی قسم سب سے زیادہ آپ کا صحبت یافتہ میں ہوں' میں نے تو کبھی بھی آپ سے یہ حدیث نہیں سنی' پھر میرے جی میں آئی کہ چلو چل کر خود حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھ لوں- چنانچہ میں وہاں سے چلا- یہاں آیا تو معلوم ہوا کہ وہ حج کو گئے ہیں- میں صرف اس ایک حدیث کی خاطر مکہ کو چل کھڑا ہوا' وہاں آپ سے ملاقات ہوئی- میں نے کہا حضرت یہ بصرے والے آپ سے کیسی روایت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا' واہ اس میں تعجب کی کون سی بات ہے- پھر یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ ساتھ ہی یہ قول باری بھی پڑھو

فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ یعنی ساری دنیا کا اسباب بھی آخرت کے مقابلہ میں حقیر چیز ہے۔ اللہ کی قسم میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کے بدلے اللہ تعالیٰ دولاکھ نیکیاں عطا فرماتا ہے' اسی مضمون کی ترمذی کی یہ حدیث بھی ہے کہ جو شخص بازار میں جائے اور وہاں لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد و هو على كل شئى قدير پڑھے' اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ گناہ معاف فرماتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے مثل الذين الخ' کی آیت جب اتری تو حضورؐ نے دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو اور زیادتی عطا فرما۔ پس مَنْ ذَالَّذِىْ الخ' کی آیت اتری۔ آپ نے پھر بھی یہی دعا کی تو اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ کی آیت اتری۔ حضرت کعب احبارؒ سے ایک شخص نے کہا' میں نے ایک شخص سے یہ سنا ہے کہ جو شخص سورۂ قل هو الله الخ کو ایک دفعہ پڑھے' اس کے لئے موتی اور یاقوت کے دس لاکھ محل جنت میں بنتے ہیں۔ کیا میں اسے سچ مان لوں۔ آپ نے فرمایا' اس میں تعجب کی کون سی بات ہے بلکہ بیس لاکھ اور بھی اور اس قدر کہ ان کی گنتی بجز جناب باری کے کسی کو معلوم ہی نہ ہو۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جب اللہ تعالیٰ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً فرماتا ہے تو پھر مخلوق اس کی گنتی کی طاقت کیسے رکھے گی۔ پھر فرمایا' رزق کی کمی بیشی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بخیلی نہ کر۔ وہ جسے دے' اس میں بھی حکمت ہے اور نہ دے' اس میں بھی مصلحت ہے' تم سب قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ
قَالُوْا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ
قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ
دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾

کیا تو نے حضرت موسیٰؑ کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا؟ جبکہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجئے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں' پیغمبر نے کہا ممکن ہے کہ جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو انہوں نے کہا ہم راہ اللہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے اجاڑے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیئے گئے ہیں پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوا تھوڑے سے لوگوں کے سب پھر گئے' اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے ○

بنی اسرائیل پر ایک اور احسان: ☆☆ (آیت: ۲۴۶) جس نبی کا یہاں ذکر ہے ان کا نام حضرت قتادہ نے حضرت یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام بتایا ہے لیکن یہ قول کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد کا حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے کا ہے جیسے کہ صراحتاً وارد ہوا ہے اور حضرت داؤد اور حضرت موسیٰ کے درمیان ایک ہزار سال سے زیادہ کا فاصلہ ہے واللہ اعلم۔ سدیؒ کا قول ہے کہ یہ پیغمبر حضرت شمعونؑ ہیں' مجاہد کہتے ہیں یہ شمویل بن یالی بن حلقمہ بن صفیہ بن علقمہ بن ابو ہاشف بن قارون بن یصہر بن فاحث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں' واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد کچھ زمانہ تک تو بنی اسرائیل راہ حق پر رہے پھر شرک و بدعت میں پڑ گئے مگر تاہم ان میں پے در پے انبیاء مبعوث ہوتے رہے یہاں

تک کہ بنی اسرائیل کی بے باکیاں حد سے گزر گئیں اب اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر غالب کر دیا۔ خوب پٹے کٹے اور اجڑے لٹے۔ پہلے تو توراۃ کی موجودگی تابوت سکینہ کی موجودگی جو حضرت موسیٰ سے موروثی چلی آتی تھی ان کے لئے باعث غلبہ ہوتی تھی مگر ان کی سرکشی اور بدترین گناہوں کی وجہ سے اللہ جل شانہ کی یہ نعمت بھی ان کے ہاتھوں چھن گئی اور نبوت بھی ان کے گھر میں ختم ہوئی۔

لاوی جن کی اولاد میں پیغمبری کی نسل چلی آ رہی تھی وہ سارے کے سارے لڑائیوں میں مرکھپ گئے۔ ان میں سے صرف ایک حاملہ عورت رہ گئی تھی' ان کے خاوند بھی قتل ہو چکے تھے اب بنی اسرائیل کی نظریں اس عورت پر تھیں انہیں امید تھی کہ اللہ اسے لڑکا دے اور وہ لڑکا نبی بنے' خود ان بیوی صاحبہ کی بھی دن رات یہی دعا تھی جو اللہ نے قبول فرمائی اور انہیں لڑکا دیا جن کا نام شمویل یا شمعون رکھا اس کے لفظی معنی ہیں کہ اللہ نے میری دعا قبول فرمالی' نبوت کی عمر کو پہنچ کر انہیں بھی نبوت ملی' جب آپ نے دعوت نبوت دی تو قوم نے درخواست کی کہ کسی کو آپ ہمارا بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اس کی ماتحتی میں جہاد کریں بادشاہ تو ظاہر ہو ہی گیا تھا لیکن پیغمبر نے اپنا کھٹکا بیان کیا کہ کہیں تم پھر جہاد سے جی نہ چراتے؟ قوم نے جواب دیا کہ حضرت ہمارے ملک ہم سے چھین لئے گئے ہمارے بال بچے گرفتار کئے گئے اور پھر بھی کیا ہم ایسے بے حمیت ہیں کہ مرنے مارنے سے ڈریں؟ اب جہاد فرض کر دیا گیا اور حکم ہوا کہ اس بادشاہ کے ساتھ اٹھو بس سنتے ہی سن ہو گئے اور سوائے معدودے چند کے باقی سب نے منہ موڑ لیا ان سے یہ کوئی نئی بات نہ تھی جس کا اللہ کو علم نہ ہو۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا
قَالُوٓا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ
وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ
وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾

انہیں ان کے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے' تو کہنے لگے بھلا اسے ہم پر حکومت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے تو بہت زیادہ حقدار بادشاہت کے ہم ہیں اسے تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی' نبی نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے اسی کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی بزرگی بھی عطا فرمائی ہے' بات یہ ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنا ملک دے اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے ○

خوئے بدرا بہانہ بسیار: ☆☆ (آیت: ۲۴۷) مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے کسی کو اپنا بادشاہ بنا دینے کی خواہش اپنے پیغمبر سے کی تو پیغمبر نے بحکم الٰہ حضرت طالوت کو پیش کیا جو شاہی خاندان سے نہ تھے۔ ایک لشکری تھے' شاہی خاندان یہود کی اولاد تھی اور یہ ان میں سے نہ تھے تو قوم نے اعتراض کیا کہ حقدار بادشاہت کے تو اس سے بہت زیادہ ہم ہیں۔ پھر دوسری بات یہ کہ اس کے پاس مال بھی نہیں۔ مفلس شخص ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ سقے تھے۔ کسی نے کہا ہے یہ دباغ تھے' پس پہلی سرکشی تو اعتراض کی صورت میں احکام نبویؐ کے سامنے ان سے یہ ہوئی' پیغمبر نے انہیں جواب دیا کہ یہ تعین میری رائے سے نہیں جس میں میں دوبارہ غور کر سکوں۔ یہ تو اللہ جل شانہ کا حکم ہے جس کی بجا آوری ضروری ہے۔ پھر ظاہراً بھی وہ تم میں بڑے عالم ہیں اور قوی اور طاقتور' شکیل و جمیل و شجاع اور بہادر اور لڑائی کے فنون سے پورے واقف کار ہیں۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بادشاہ ذی علم' شکیل' قوی' طاقتور' بڑے دل و دماغ والا ہونا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ اصلی اور حقیقی حاکم اللہ

تعالیٰ ہی ہے۔ ملک کا مالک فی الواقع وہی ہے۔ جسے چاہے ملک دے۔ وہ علم وحکمت والا' رافت ورحمت والا ہے' اس سے کس کی مجال ہے کہ سوال کرے؟ جو چاہے کرے۔ سب سے سوال کرنے والا کوئی نہ کوئی ہے لیکن پروردگار اس سے مستغنی ہے' وہ وسیع فضل والا اپنی نعمتوں سے جسے چاہے مخصوص کرے' وہ علم والا ہے۔ خوب جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے اور کسے کس چیز کا استحقاق نہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾

ان کے نبی نے انہیں پھر کہا کہ ان کی بادشاہت کی ظاہر نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلجمعی ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارونؑ کا بقیہ ترکہ ہے فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے' یقیناً یہ تو تمہارے لئے کھلی دلیل ہے اگر تم ایمان دار ہو ○

تابوت سکینہ اور جنگ طالوت وجالوت: ☆☆ (آیت:۲۴۸) نبی علیہ السلام فرمار ہے ہیں کہ طالوت کی بادشاہت کی پہلی علامت بابرکت یہ ہے کہ کھویا ہوا تابوت سکینہ انہیں پھر مل جائے گا جس میں وقار وعزت ودلجمعی اور جلالت رافت ورحمت ہے۔ جس میں اللہ کی نشانیاں ہیں جنہیں تم بخوبی جانتے ہو۔ بعض کا قول ہے کہ سکینہ ایک سونے کا طشت تھا جس میں انبیاء کے دل دھوئے جاتے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا تھا اور جس میں آپ نے توریت کی تختیاں رکھی تھیں' کسی نے کہا ہے اس کا منہ بھی تھا جیسے انسان کا منہ ہوتا ہے اور روح بھی تھی۔ ہوا بھی تھی۔ دو سر تھے۔ دو پر تھے اور دم بھی تھی' وہب کہتے ہیں مردہ بلی کا سر تھا۔ جب وہ تابوت میں بولتا تو انہیں نصرت کا یقین ہو جاتا اور لڑائی فتح ہو جاتی۔ یہ قول بھی ہے کہ یہ ایک روح تھی۔ اللہ کی طرف سے۔ جب کبھی بنی اسرائیل میں کوئی اختلاف پڑتا یا کسی بات کی اطلاع نہ ہوتی' وہ کہہ دیا کرتی تھی۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے ورثے کے باقی حصے سے مراد لکڑی اور توراۃ کی تختیاں' اون اور کچھ ان کے کپڑے اور جوتی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرشتے آسمان وزمین کے درمیان اس تابوت کو اٹھائے ہوئے سب لوگوں کے سامنے لائے اور حضرت طالوت بادشاہ کے سامنے لا رکھا' اس تابوت کو ان کے ہاں دیکھ کر انہیں نبیؑ کی نبوت اور طالوت کی بادشاہت کا یقین ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ گائے کے اوپر لایا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ کفار نے جب یہودیوں پر غلبہ پایا تو تابوت سکینہ کو ان سے چھین لیا اور اریحا میں لے گئے اور اپنے بڑے بت کے نیچے رکھ دیا۔ جب اللہ کو اسے واپس بنی اسرائیل تک پہنچانا تھا' تب وہ کفار صبح کو جب بت خانے میں گئے تو دیکھا کہ بت نیچے ہے اور تابوت اوپر ہے۔ انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا لیکن دوسری صبح دیکھا کہ پھر وہی معاملہ ہے۔ انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا۔ صبح جو جب گئے تو دیکھا کہ بت ایک طرف ٹوٹا پھوٹا پڑا ہے تو یقین ہو گیا کہ یہ قدرت کے کرشمے ہیں چنانچہ انہوں نے تابوت کو یہاں سے لے جا کر کسی اور چھوٹی سی بستی میں رکھ دیا۔ وہاں ایک وبائی بیماری پھیلی۔ آخر بنی اسرائیل کی ایک عورت نے جو وہاں قید تھی' انہیں کہا کہ اسے واپس بنی اسرائیل کو پہنچا دو تو تمہیں اس سے نجات ملے گی۔ ان لوگوں نے دو گائیوں پر تابوت کو رکھ کر بنی اسرائیل کے شہر کی طرف بھیج دیا۔ شہر کے قریب پہنچ کر گائیں تو رسیاں تڑوا کر بھاگ گئیں اور تابوت وہیں رہا جسے بنی اسرائیل لے آئے۔ بعض کہتے ہیں۔ دو

نوجوان اسے پہنچا گئے واللہ اعلم (لیکن الفاظ قرآن میں یہ موجود ہے کہ اسے فرشتے اٹھالائیں گے۔ مترجم) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فلسطین کی بستیوں میں سے ایک بستی میں تھا جس کا نام ازدوہ تھا۔ پھر فرماتا ہے میری نبوت کی دلیل اور طالوت کی بادشاہت کی دلیل یہ بھی ہے کہ تابوت فرشتے پہنچا جائیں گے اگر تمہیں اللہ عزوجل پر اور قیامت پر ایمان ہو۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾

جب (حضرت) طالوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا سنو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں' اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہے' ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے' لیکن سوائے چند کے باقی سب نے پی لیا' حضرت طالوت ایمانداروں سمیت جب نہر سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے' آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں۔ اللہ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا' بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پالیتی ہیں' اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○

نہر الشریعہ: ☆☆ (آیت:۲۴۹) اب واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ جب ان لوگوں نے طالوت کی بادشاہت تسلیم کر لی اور وہ انہیں لے کر جہاد کو چلے۔ حضرت سدیؒ کے قول کے مطابق ان کی تعداد اسی ہزار تھی۔ راستے میں طالوت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ساتھ آزمانے والا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی۔ اس کا نام نہر الشریعہ تھا' طالوت نے انہیں ہوشیار کر دیا کہ اس نہر کا پانی کوئی نہ پیئے۔ اگر پی لے گا تو میرے ساتھ نہ چلے۔ ایک آدھ گھونٹ اگر کسی نے پی لیا تو کچھ حرج نہیں۔ لیکن جب وہاں پہنچے' پیاس کی شدت تھی۔ نہر پر جھک پڑے اور خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا مگر کچھ لوگ ایسے پختہ ایمان والے بھی تھے کہ جنہوں نے نہ پیا۔ ایک چلو پی لیا۔ بقول حضرت ابن عباسؓ کے ایک چلو پینے والوں کی تو پیاس بھی بجھ گئی اور وہ جہاد میں بھی شامل رہے لیکن پوری پیاس بجھانے والوں کی نہ تو پیاس بجھی نہ وہ قابل جہاد رہے۔ سدیؒ فرماتے ہیں' اسی ہزار میں سے چھتر ہزار نے پانی پی لیا۔ صرف چار ہزار آدمی حقیقی فرمانبردار نکلے۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب محمد ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بدر کی لڑائی والے دن ہماری تعداد اتنی ہی تھی جتنی تعداد حضرت طالوت بادشاہ کے اس فرمانبردار لشکر کی تھی جو آپ کے ساتھ نہر سے پار ہوا تھا یعنی تین سو تیرہ۔ یہاں سے پار ہوتے ہی نافرمانوں کے چھکے چھوٹ گئے اور نہایت بزدلانہ پن سے انہوں نے جہاد سے انکار کر دیا اور دشمنوں کی زیادتی نے ان کے حوصلے توڑ دیئے۔ صاف جواب دے بیٹھے کہ آج تو ہم جالوت کے لشکر سے لڑنے کی طاقت اپنے میں نہیں پاتے۔ گو سرفروش مجاہد علماء کرام نے انہیں ہر طرح ہمت بندھوائی۔ وعظ کہے۔ فرمایا کہ قلت و کثرت پر فتح موقوف نہیں۔ صبر پر اور نیک نیتی پر ضرور اللہ کی امداد ہوتی ہے' بارہا ایسا ہوا ہے کہ مٹھی

بھر لوگوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو نیچا دکھا دیا ہے۔ تم صبر کرو۔ طبیعت میں استقلال اور عزم رکھو۔ اللہ کے وعدوں پر نظریں رکھو اس صبر کے بدلے اللہ تمہارا ساتھ دے گا لیکن تاہم ان کے سرد دل نہ گرمائے اور ان کی بزدلی دور نہ ہوئی۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۣۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَاۗءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْھَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار ہمیں صبر دے ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے جالوتیوں کو ہرا دیا اور حضرت داؤدؑ کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داؤدؑ کو مملکت و حکمت اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑے فضل و کرم کرنے والا ہے۔ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتیں جنہیں ہم حقانیت کے ساتھ بخیر پڑھتے ہیں' بالیقین تو رسولوں میں سے ہے ○

جالوت مارا گیا: ☆☆ (آیت: ۲۵۰-۲۵۲) یعنی جس وقت مسلمانوں کی اس مختصر جماعت نے کفار کے ٹڈی دل لشکر دیکھے تو جناب باری میں گڑگڑا کر دعائیں کرنی شروع کیں کہ اے اللہ ہمیں صبر و ثبات کا پہاڑ بنا دے۔ لڑائی کے وقت ہمارے قدم جما دے۔ منہ موڑنے اور بھاگنے سے ہمیں بچالے اور ان دشمنوں پر ہمیں غالب کر۔ چنانچہ ان کی عاجزانہ اور مخلصانہ دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے اور یہ مٹھی بھر جماعت اس ٹڈی دل لشکر کو تہس نہس کر دیتی ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں مخالفین کا سردار اور سرتاج جالوت مارا جاتا ہے' اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت طالوت نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر جالوت کو قتل کر دو گے تو میں اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دوں گا اور اپنا آدھا مال بھی تمہیں دے دوں گا اور حکومت میں بھی برابر شریک کرلوں گا چنانچہ حضرت داؤدؑ نے پتھر کو فلاخن میں رکھ کر جالوت پر چلایا اور اسی سے وہ مارا گیا۔ حضرت طالوت نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ بالآخر سلطنت کے مستقل سلطان آپ ہی ہو گئے اور پروردگار عالم کی طرف سے بھی نبوت جیسی زبردست نعمت عطا ہوئی اور حضرت شموئیل کے بعد یہ پیغمبر بھی بنے اور بادشاہ بھی۔ حکمت سے مراد نبوت ہے اور بہت سے مخصوص علم بھی جو اللہ عزوجل نے چاہے' اپنے اس نبی کو سکھائے۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اگر تعالیٰ یوں پست لوگوں کی پستی نہ بدلتا جس طرح بنی اسرائیل کو طالوت جیسے مدبر بادشاہ اور داؤد جیسے دلیر سپہ سالار عطا فرما کر حکومت تبدیل نہ کرتا تو لوگ ہلاک ہو جاتے جیسے اور جگہ ہے وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا یعنی یوں اگر ایک دوسرے کا دفعیہ نہ ہوتا تو عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام بہ کثرت ذکر کیا جاتا ہے' توڑ دی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ایک نیک بخت ایماندار کی وجہ سے اس کے آس پاس کے سو سو گھرانوں سے اللہ تعالیٰ بلاؤں کو دور کر دیتا ہے۔ پھر راوی حدیث حضرت